علی گڑھ تحریک کی علمی و ادبی خدمات

رابعہ بیگ

Rabia Baig,

M.Phil Scholar, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Ali Garh movement will be discussed and left positive impacts on Urdu literature. This movement impressed many intellectuals, poets, writers and journalists. It played a vital role in Urdu literature. It created simplicity, eloquence, erudition, sweetness, depth and energy in Urdu language. It enabled the Urdu language to become a big language and to be counted in the civilized language of the world.

علی گڑھ تحریک ایک ادبی تحریک تھی جس کے زیرِ سایہ اُردو ادب میں اک انقلاب آفریں تغیر رونما ہوا اس نے اردو زبان میں سادگی، فصاحت و بلاغت، مٹھاس، گہرائی، وسعت اور توانائی پیدا کی اور اردو زبان کو بڑی بننے اور دنیا کی مہذب زبانوں کی صف میں کھڑی ہونے کے قابل بنایا۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

> ''علی گڑھ تحریک کو بظاہر صرف سیاسی اور محض تعلیمی تحریک خیال کیا جاتا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ اس سے زیادہ بھی بہت کچھ ہے۔ یہ ایک لحاظ سے ایک علمی اور ادبی تحریک بھی ہے۔ علمی اس معنی میں کہ اس تحریک کے زیر اثر فکر و نظر میں اہم انقلاب نمودار ہوا اور مذاق تصنیف میں گہری تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ملک میں مغرب سے استفادہ کرنے کے لیے جو میلان پیدا ہوا، اس کے ماتحت جس طرح انداز نظر بدل گئے، اسی طرح معانی اور موضوعات میں بھی تغیر پیدا ہوا۔(۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمان اور ہندو متحد ہوئے تاکہ انگریز سامراج سے چھٹکارا حاصل کر سکیں مگر ناکامی کے بعد مسلمان خاص کر ظلم و ستم کا شکار ہوئے ان دگرگوں حالات میں سرسید نے

قوم کی بحالی کا بیڑا اٹھایا اور اپنی سرگرمیوں کا مرکز علی گڑھ کو بنایا جس کی وجہ سے اس تحریک کو تحریک علی گڑھ کا نام دیا گیا۔اس تحریک نے برصغیر کے مسلمانوں کی ادبی، مذہبی، معاشرتی اور تعلیمی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کیے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ''علی گڑھ تحریک کا بیج ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے پھوٹا تھا۔اگر یہ جنگ نہ ہوتی تو شاید اس تحریک کے محرکِ اول سر سید احمد خان کی زندگی کا دھارا مختلف سمت میں رواں ہوتا اور وہ اپنی پرانی شہرت میں ہی آسودگی محسوس کرنے لگتے۔''(۲)

سر سید احمد خان یہ دیکھ رہے تھے کہ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو بے دخل کیا جا رہا ہے اور سرکاری ملازمت اقتصادی نہیں بلکہ سیاسی ضرورت بن چکی ہے۔انھوں نے یہ محسوس کیا کہ جدید تعلیم سے آشنا ہوئے بغیر مسلمان ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے انگریزی زبان سے واقفیت ضروری ہے۔اس سلسلے میں انھوں نے سب سے پہلے غازی پور میں ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی، جس میں انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ڈاکٹر محمد اشرف لکھتے ہیں:

> ''مغربی تہذیب، انگریزی تعلیم، پارلیمنٹری طرزِ حکومت، اصلاحِ معاشرت، مذہبی لبرلزم، عقلیت پسندی، اخبار نویسی، حتیٰ کہ سادہ طرزِ تحریر شاید ہی کوئی ایسا عقیدہ ہو جس میں سر سید راجہ رام موہن رائے کے قدم بہ قدم نہ چلے ہوں۔''(۳)

۱۸۶۳ء میں سر سید احمد خان نے غازی پور میں سائنٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا مقصد جدید علوم کا انگریزی سے اردو زبان میں ترجمہ کرنا تھا تاکہ اہلِ ہند کو سائنس، تاریخ اور ادب سے روشناس کروایا جا سکے۔ اس سوسائٹی کے ذریعے تقریباً چالیس کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوئیں۔یہ کتابیں اردو ادب میں بلند مقام رکھتی ہیں۔بعد میں یہ سوسائٹی سر سید احمد خان کے ساتھ ہی علی گڑھ منتقل ہو گئی۔بقول ڈاکٹر انور سدید:

> ''اس دور میں سر سید کے دو اہم کارنامے غازی پور مدرسہ اور سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام ہیں۔ مدرسہ کا مقصد نونہالان وطن کو نئی تعلیم سے روشناس کرانا تھا اور سوسائٹی کا مقصد بڑوں کو علوم نو سے متعارف کرانا تھا۔انگریزی تعلیم چوں کہ مذہب کے خلاف تصور کی جا رہی تھی اس لیے اس سوسائٹی نے علمی اور تاریخی کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا۔''(۴)

علی گڑھ سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام مصنوعی طور پر علی گڑھ تحریک کا نقطۂ آغاز تھا۔۱۸۶۶ء میں

سرسید نے علی گڑھ سے ایک اخبار 'علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ' جاری کیا۔ یہ اخبار اگرچہ ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان باہمی روشناسی کا وسیلہ تھا اس کا مجموعی مزاج علی گڑھ تحریک سے مطابقت رکھتا تھا۔ اس رسالے کے ذریعے سرسید نے مسلمانوں میں ادبی، تہذیبی اور سیاسی شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

سرسید جانتے تھے کہ مسلمانوں کی ترقی اور خوشحالی کا راز جدید تعلیم حاصل کرنے میں ہے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے سفرلندن اختیار کیا۔

> ''چنانچہ سرسید نے ولایت میں ہی پختہ ارادہ کرلیا کہ مسلمانوں کی تہذیبی زندگی میں انقلاب لانے کے لیے وہ بھی اسی نوع کا اخبار جاری کریں گے۔ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' ان کے اسی ارادے کی تکمیل تھا۔''(۵)

''تہذیب الاخلاق'' کی اشاعت کو ادبی لحاظ سے سفرلندن کی یادگار تصور کیا جاتا ہے۔ اس رسالے کو اردو مضمون نگاری میں خاص اہمیت حاصل تھی، اس میں مسلمانوں کو پھر سے ایک زندہ قوم بنانے کے اصول وضع کیے گئے اور غیر اسلامی رسم و رواج اور توہمات کے خاتمے پر زور دیا گیا۔ اس رسالے کے اغراض و مقاصد واضح کرتے ہوئے مظہر حسین رقم طراز ہیں:

> ''ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سویلزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے تا کہ جس حقارت سے سویلائزڈ یعنی مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز اور مہذب قومیں کہلاویں۔''(۶)

علی گڑھ تحریک کے مقاصد درج ذیل تھے:

علی گڑھ تحریک کے سیاسی زاویے کا مقصد مسلمانوں کو تہذیبی بقا معاشرتی سربلندی اور سیاسی ترقی ہے۔

مذہبی زاویے کا مقصد نئے علوم کی روشنی میں دین فطرت کی توضیح و تشریح کرنا ہے۔

جبکہ ادبی زاویے کا مقصد اردو زبان و ادب کا فروغ ہے۔ ڈاکٹر انور سدید تحریک کے ادبی زاویے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اس (ادبی تحریک) کے تحت نہ صرف اردو زبان کو وسعت ملی بلکہ اردو ادب کے اسالیب بیان اور روحِ معانی بھی متاثر ہوئی اور اس کے موضوعات کا دائرہ وسیع تر ہو گیا......علی گڑھ تحریک نے نہ صرف ہندی زبان کے غلبے کو روکنے کی کوشش کی بلکہ اس نے لفظ کی داخلی

حرکی قوت کو پہچانا اور انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق کے ذریعے اس قوت کو مثبت طور پر استعمال کیا۔''(۷)

تحریکِ علی گڑھ سے پہلے ہماری تصانیف کا دائرہ سیاست، تصوف اور تاریخ وغیرہ تک محدود تھا۔ سرسید نے اس تحریک کے ذریعے ایک ایسے علمی مزاج کی بنیاد ڈالی جس میں ایک طرف حقیقت اور صداقت کی جستجو تھی جبکہ دوسری طرف وہ افادیت اور مقصدیت کی علمبردار تھی۔ اس تحریک کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس میں مسجع و مقفیٰ اردو نثر کو ختم کر کے طرز تحریر کو سادہ اور آسان کیا گیا۔ اس امر کی وضاحت کے لیے پروفیسر خواجہ ذکریا سرسید کا بیان لکھتے ہیں:

''جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کے علم و ادب کی ترقی میں اپنے ناچیز پرچوں کے ذریعے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کرنے کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ رنگینی عبارات سے جو تشبیہات اور استعاراتِ خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا پرہیز کیا۔ تک بندی سے جو اس زمانے میں مقفیٰ عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔''(۸)

علی گڑھ تحریک میں جن نامور ہستیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ ان میں مولانا شبلی نعمانی نے سیرت نگاری اور مولانا الطاف حسین حالی نے اردو تنقید اور سوانح نگاری کو فروغ دیا۔ عبدالحلیم شرر نے تاریخی ناول نگاری، نذیر احمد نے قصہ نویسی اور محسن الملک نے مقالہ نویسی کو فروغ دیا۔ مولوی ذکاء اللہ نے تحریکِ علی گڑھ کا پیغام بچوں تک پہنچانے کے لیے درسی کتابیں لکھیں۔ ان کی ''تاریخ ہندوستان'' دس جلدوں پر محیط ہے۔ مولوی عبدالحق نے علی گڑھ کے اسلوبِ بیان کو سادہ شیریں بنانے کی کوشش کی۔

''انھوں نے ادب سے فرسودگی اور تعطل دور کر کے اسے نیا پن، واضح مقصدیت، سنجیدگی، معقولیت اور ہمہ گیری عطا کی ہے۔ سرسید کے ہم خیال ادباء کی تحریروں میں سرسید مکتبِ فکر کے واضح اثرات ملتے ہیں۔ ان اثرات کے اجتماعی عمل کا نام علی گڑھ تحریک ہے۔ گویا ان ادباء کا اور ان کے پیروکاروں کا خاص اندازِ نظر اور طرزِ عمل سرسید کے افکار ہی کی ایک وسیع صورت ہے۔''(۹)

سرسید اور ان کے رفقاء کار نے اپنی تحریروں میں مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی اصلاح پر زور دیا۔ مولانا حالی کی ''مسدس حالی'' مولانا شبلی نعمانی کی ''سیرت النبیؐ'' اپنی مثال آپ ہیں۔ اس تحریک کی وجہ سے اردو ادب میں نیا ادبی شعور، شاعری میں نیا رجحان اور ناول کا آغاز ہوا اور اسی دور میں ادبی تنقید کو رواج دیا گیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''حالی نے مقدمہ شعروشاعری (۱۸۹۳ء) لکھ کر باقاعدہ تنقید نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ ان کے ساتھ اس سلسلہ میں شبلی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان دونوں نے سوانح عمریاں لکھ کر اردو کو نئی روش سے آشنا کیا۔ ادھر شبلی نے تاریخ میں جو کام کیا وہ آج بھی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ نذیر احمد نے ناول نویسی کا آغاز کیا۔ محمد حسین آزاد جدید نظم کو متعارف کرانے کا باعث بنے۔ المختصر سرسید تحریک کے بلاواسطہ یا بالواسطہ اثرات کا ثمر اس ذہنی نشاۃ الثانیہ کی صورت میں ظاہر ہوا جس نے اردو ادب کو ''تنگنائے غزل'' سے باہر نکالا۔ اسے زندگی کا ترجمان بنا کر اس کی پیچیدگیوں سے عہدہ برآء ہونے کی صلاحیت بھی پیدا کی اور یوں وہ اردو نثر جس میں ایک بھی درخور اعتنا تصنیف نہ تھی، ربع صدی کے قلیل عرصہ میں علمی و ادبی مضامین سے مالا مال ہوگئی۔ سائنسی مضامین کے تراجم کی طرح بھی سرسید نے ڈالی۔''(۱۰)

سرسید نقاد نہ تھے اور نہ ہی باقاعدہ طور پر انھوں نے اس کے لیے کوئی تصنیف لکھی لیکن ان کے تنقیدی نظریات ان کی تحریروں میں بکھری ہوئی صورت میں ملتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ''سرسید کے تنقیدی نظریات ان کے متعدد مضامین میں بکھرے ہوئے ہیں اور ان سے سرسید کا جامع نقطۂ نظر مرتب کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ علی گڑھ تحریک نے ایک بن لکھی بوطیقا پر عمل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ علی گڑھ تحریک سے پہلے ادبی تنقید صرف ذاتی مفاد کے اظہار تک محدود تھی۔ سرسید کے شعور فن کی پہلی کرن بیدار ہوئی تو انھوں نے ادب کو بھی زندگی کے مماثل قرار دیا اور اس پر نظری اور عملی زاویوں سے تنقید کی۔ چنانچہ سرسید نے تنقید کی کوئی باضابطہ کتاب نہیں لکھی۔''(۱۱)

سرسید کی تصنیفی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا دور شروع سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کا ہے۔ اس دور میں سرسید احمد خان خالص پرانے رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دوسرا دور ق ۱۸۵۷ء سے لے کر انگلستان تک کا ہے۔ اس دور میں انگریزوں سے میل جول کی بنا پر مغربی افکار سے متاثر نظر آتے ہیں جبکہ تیسرا دور سفرِ انگلستان سے وفات ۱۸۹۸ء تک محیط ہے۔ تیسرے دور میں ان کی طبیعت میں ایک طرح کا تشدد نظر آتا ہے۔ پہلے ان کے لہجے میں نرمی اور ملائمت تھی اب وہ اظہارِ خیال میں نڈر اور بے خوف معلوم ہوتے ہیں۔ مولانا حالی لکھتے ہیں:

> ''سرسید کے ہاں ہر مقام کے مقتضا کے موافق کا رنگ خود بخود بدل جاتا ہے اگر علمی اور تاریخی مضامین میں دریا کے بہاؤ جیسی روانی ہے تو مذہبی اور پولیٹیکل تحریروں میں چڑھاؤ کی تیرا کی کا سا زور ہے۔ اعتراضات کے جواب میں متانت اور سنجیدگی ہے تو بے دلیل دعوؤں کے مقابلے میں ظرافت وخوش طبعی، نصیحتیں نشتر سے زیادہ دلخراش اور مرہم سے زیادہ تسکین بخش ہیں۔'' (۱۲)

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> سرسید نے تقریباً ہر اہم موضوع پر قلم اٹھایا اور اس کا حق ادا کر دیا۔ شاید ہی کوئی ایسا فن ہو جس میں انھوں نے گراں قدر اضافہ نہ کیا ہو۔ ''بقول شبلی سرسید کی انشاء پردازی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہے۔ اور جس مضمون کو لکھا ہے اس درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ اس سے بڑھ کر ناممکن ہے۔ فارسی اور اردو میں بڑے بڑے شعرا اور نثار گزرے ہیں لیکن ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو تمام قسم کے مضامین کا حق ادا کر سکتا۔'' یہ جامعیت سرسید کے بعد کسی ہندی مسلمان کو میسر نہیں آئی۔'' (۱۳)

پاکستان کی تاریخ کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو علی گڑھ تحریک کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ذریعے سیاسی لیڈر شپ ملی، جدید تعلیم کا مواقع پیدا ہوئے، معاشی حالات بہتر ہوئے، ہمارے حقوق کو تحفظ ملا اور ہمیں ایک علیحدہ قوم تصور کیا جانے لگا۔

حوالہ جات

۱۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کار کی اردو نثر کا فنی وفکری جائزہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص: ۴۷

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۷۷

۳۔ محمد اشرف، ڈاکٹر، سرسید اور سیاسیات ہند، علی گڑھ تحریک، مرتبہ: نسیم قریشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء، ص: ۱۷۲

۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، ص: ۸۲۔۲۸۱

۵۔ ایضاً، ص: ۲۸۶

۶۔ مظہر حسین، علی گڑھ تحریک، سماجی اور سیاسی مطالعہ، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۹۳ء، ص: ۶۷

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، ص: ۲۹۲

۸۔ محمد زکریا، خواجہ، پروفیسر، تاریخ ادبیات مسلمانِ پاکستان و ہند، اردو ادب (جلد چہارم)، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص: ۶۱

۹۔ ایضاً، ص: ۶۲

۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص: ۳۲۷

۱۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، ص: ۲۹۵

۱۲۔ الطاف حسین حالی، حیات جاوید، لاہور: نیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۶ء، ص: ۶۵۸

۱۳۔ خلیق احمد نظامی، پروفیسر، علی گڑھ کی علمی خدمات، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۳

☆......☆......☆